ڈاکٹر سلیم اختر بطور اقبال شناس

غلام مصطفیٰ
ایم ایس اسلامیات، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر آصف علی چٹھہ
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

SALEEM AKHTAR AS IQBAL SCHOLAR

Ghulam Mustafa
MS Islamic Studies, LLU, Lahore

Asif Ali Chhatta, PhD
Assisstant Professor of Urdu
Punjab University Oriental College, Lahore

Abstract

Dr Saleem Akhtar is a renowned Urdu critic, linguist, Iqbalist, literary historian, teacher and researcher. His main claim to fame is his famous book namely "Urdu Adab ki Mukhtasir Tareen Tareekh". But work on Iqbal Studies is his main forte. He has written many books on life and work of Allama Muhammad Iqbal. He has especially highlighted the aspects of Iqbal Studies which no other Iqbalist has touched so far. He has offered detailed study of his verse as well as prose work. This article covers Saleem Akhtar's contributions in the field of Iqbal Studies.

Keywords:

سلیم اختر، علامہ اقبال، راولپنڈی، افغانستان، ایران، پاکستان، اقبالیات کے نقوش

ڈاکٹر سلیم اختر پاکستان کے نامور اردو نقاد، افسانہ نگار، ماہر لسانیات، ماہرِ اقبالیات، ادبی مؤرخ، معلم اور محقق ہیں، ۱۱ مارچ ۱۹۳۴ء لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے میٹرک فیض الاسلام ہائی سکول راولپنڈی سے ۱۹۵۱ء میں کیا۔ ایف اے اور بی اے گورنمنٹ کالج اصغر مال راولپنڈی جب کہ ایم اردو اور پی ایچ ڈی کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شعبہ تعلیم سے وابستہ ہوئے۔ اس کے علاوہ مختلف ادبی رسالوں کے ساتھ بھی منسلک رہے۔ آپ نے بطور اردو لیکچرار ۱۹۶۲ء پہلی ملازمت گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان میں کی۔ وہاں آٹھ سال رہنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور چلے آئے۔ ۱۹۹۴ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد گیارہ سال تک جز وقتی پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور میں ہی تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ وہ یونیورسٹی آف ایجوکیشن میں درس وتدریس کی ذمہ داریاں بھی نبھاتے رہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ۲۰۰۸ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔ اُن کا دسمبر ۲۰۱۸ء لاہور میں انتقال ہوا۔ (۱)

ڈاکٹر سلیم اختر نے مختلف موضوعات پر ایک سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ وہ اردو کے ان چند نقادوں میں شامل ہیں جو نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین تخلیق کار بھی تھے

''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' کے علاوہ ان کے افسانوی مجموعوں میں آدھی رات کی مخلوق، نرگس اور کیکٹس، مٹھی بھر سانپ، کڑوے بادام، کاٹھ کی عورتیں، چالیس منٹ کی عورت اور ضبط کی دیوار شامل ہیں۔ ان کی دیگر کتابوں میں اک جہاں سب سے الگ (سفر نامہ)، نشان جگر سوختہ (آپ بیتی)، انشائیہ کی بنیاد، ادب اور کلچر، ادب اور لاشعور، کلام نرم و نازک کے علاوہ نفسیاتی موضوعات پر لکھی گئی کتب جن میں شادی جنس اور جذبات، ہماری جنسی اور جذباتی زندگی، عورت جنس اور جذبات، عورت جنس کے آئینے میں، مرد جنس کے آئینے میں وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے علامہ اقبال کے حوالے سے کئی کتابیں لکھیں جن میں فکر اقبال کا تعارف، اقبال کا نفسیاتی مطالعہ، اقبال: شخصیت افکار تصورات، اقبال کا ادبی نصب العین، فکرِ اقبال کے منور گوشے، اقبال کی فکری میراث، اقبال اور ہمارے فکری رویے، علامہ اقبال: حیات فکر وفن، اقبال ممدوح عالم، اقبال شناسی کے زاویے، ایران میں اقبال شناسی کی روایت، مسلم ممالک میں اقبال شناسی کی روایت، اقبال شعاع صد رنگ، اقبالیات کے نقوش وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے بطور اقبال شناس اقبال کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جو عام اقبال شناسوں کی نظروں سے اوجھل رہے۔ انھوں نے فکرِ اقبال کے نفسیاتی پہلوؤں کو بھی آشکار کیا، اور شرح ارمغان حجاز لکھی۔ اقبال کی غزلوں کا تجزیاتی مطالعہ کے علاوہ انھوں نے اقبال کی نثری تخلیقات اور افکار و خیالات کا تجزیاتی

وتنقیدی مطالعہ بھی کیا۔ سال اقبال کی مناسبت سے ڈاکٹر سلیم اختر نے ''اقبال ممدوحِ عالم'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس میں اقبال شناسی کی بین الاقوامی روایت کا سراغ ملتا ہے۔ اس کتاب میں مشرق ومغرب کے اقبال شناسوں کے مقالے جمع کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب کے دوران انھیں فرانسیسی خاتون ادیبہ لوس کلوڈ کی کتاب پڑھنے کا موقع ملا جو انھیں اتنی اچھی لگی کہ ''فکر اقبال کا تعارف'' کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا۔

ڈاکٹر اختر نے بین الاقوامی سطح پر اقبالیات پر ایران اور دیگر مسلم ممالک میں ہونے والے کام پر بھی دو کتابیں لکھیں۔

بیسویں صدی کا آغاز اقبال کی شاعری سے ہوتا ہے۔ اقبال کی زندگی ہی میں اردو نقادوں اور دانشوروں نے ان کے افکار وتصورات پر بحث شروع کر دی تھی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں:

> ''اقبال بیسویں صدی کے شعری افق پر چھایا ہوا ایسا آسمان ہے جو افکار وتصورات کی کئی منور کہکشائیں اپنے شاعرانہ تخیل کے محیطِ بے کراں میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اقبال، اردو شاعری کی تاریخ کا وہ روشن مینار ہے جس سے کسب ضیاء کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مسلم فلسفہ کی تاریخ میں، اقبال نہ صرف ممتاز ومنفرد ہیں بلکہ ان کے افکار نے مسلم دنیا (بالخصوص ایران) کے فکری رویوں اور سیاسی نصب العین کو تغیر آشنا کیا''۔(۲)

ڈاکٹر اختر نے کتاب 'اقبالیات کے نقوش' ۱۹۷۷ء میں مرتب کی جس میں دنیا کے ماہرین اقبالیات کے علامہ اقبال پر لکھے مقالوں کا ایک خوبصورت انتخاب شامل کیا۔ یہ مقالے اقبال کے فکروفن پر ایک سیر حاصل بحث سے عبارت ہیں۔ اس کتاب کے تعارف میں کہتے ہیں:

> ''ان منتشر مقالات کی فہرست سے قطع نظر موضوعات کی درجہ بندی سے بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ اب اقبالیات کے لیے اساس سمجھے جانے والے بیشتر موضوعات اقبال کی زندگی ہی میں مقبول ہو چکے تھے۔ چنانچہ فلسفہ، اسلام، تصوف، خودی، تصور حیات، شاعرانہ پیغام، تصور ادب، وطنیت، تصور عورت، تصور زمان ومکان، زبان کے حسن وقبح کی جانچ، انفرادی کتب کا مطالعہ۔ غرض یہ کہ کون سا ایسا موضوع ہے جس پر اقبالیات کے دور اول میں نہ لکھا گیا۔ یہ درست ہے کہ دور اول کی بعض تحریروں کی تنقیدی اہمیت نہ ہو گی لیکن جہاں تک ان کی تاریخی اہمیت کا تعلق ہے تو اردو تنقید میں بالعموم اور اقبالیات میں بالخصوص ان کی حیثیت کم نہیں ہو سکتی کہ آنے والے ناقدین کے لیے یہ جادہ تراش تھے!''(۳)

مذکورہ کتاب میں انھوں نے ڈاکٹر یوسف حسن خان، ڈاکٹر سید عبداللہ، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم،

جگن ناتھ آزاد اور ملک عبدالقیوم جیسے نامور انتیس محققین کے اقبال کے تصورِ حیات، سیاسیات، فلسفہ اور نظریۂ شاعری، اقبال پر اعتراضات اور ان کے جوابات کے علاوہ مختلف موضوعات پر لکھے گئے مقالات پیش کیے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر اپنی کتاب 'اقبال کی فکر میراث' میں اقبال کی فکری میراث کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک اقبال کی فکری میراث کا تعلق ہے تو وہ وسیع بھی ہے اور متنوع بھی، وہ بسیط بھی ہے اور عمیق بھی، اقبال میں اگر چہ مشرق و مغرب کے فلسفوں اور جدید علوم کی بوقلمونیوں کا امتزاج ملتا ہے مگر اساس ان کی اسلام اور قرآن مجید پر استوار ہے اور اسی سے علامہ متنوع نظریات میں فکری توازن پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔'' (۴)

اقبال مصلح قوم تھے اور ایسے معلم تھے جنھوں نے انسانیت سے خطاب کے لیے شاعری کو اپنایا، چوں کہ وہ ایک مقصد پسند شاعر تھے اس لیے ادب یا اظہار کے بارے میں اقبال کے اپنے مخصوص نظریات کا ہونا لازم ہے۔ اقبال نے نظریۂ خودی کی روشنی میں ادب و فن کی تشکیل نو پر زور دیتے ہوئے مختلف مواقع پر اشعار کے ذریعے اپنے نظریۂ ادب کی تشریح و توضیح بھی کی ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر اقبال کے بعض تصورات مثلاً عشق، وجدان، عقل، اسلام، تعلیم، ادب، فنون لطیفہ، مردِ مومن، سیاست اور عورت وغیرہ کے متنوع گوشوں کا خصوصی تجزیہ پیش کیا ہے۔ تاہم ان کے مطابق ان سب تصورات کی تفہیم و تشریح اور قدر و اہمیت کے تعین میں اقبال کے تصور خودی کو مرکزی قرار دیا ہے۔ چناں چہ اس حوالے سے وہ کہتے ہیں:

> ''افکارِ اقبال کے پیچیدہ نظام میں خودی کی مرکزی حیثیت کو نظام شمسی کی مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح اپنی تمام تر تابانیوں اور حیات بخش حرارت کے ساتھ سورج مرکز میں ہے اور تمام سیارے اپنے اپنے مدار پر آزاد گردش کے باوجود بھی سورج کے تابع ہیں، اسی طرح فکر اقبال کے آسمان میں خودی کی مرکزی حیثیت ہے۔ جب کہ دیگر تصورات عشق، وجدان، مردِ مومن وغیرہ انفرادی حیثیت میں توانا تصورات ہونے کے باوجود بھی خودی پر استوار ہیں کہ خودی کے سورج کے سیارے ہیں اور اسی سے کسبِ نور کرتے ہیں لہٰذا اقبال کی فکری میراث خودی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو سکتی۔'' (۵)

ڈاکٹر اختر کے نزدیک اقبال ادب کو ایک حرکی عمل سمجھتے ہیں، ایسا عمل جو بے عمل قوم میں حیات آمیز رُوح پیدا کر سکے، اگر ایسا نہیں تو اقبال کے نزدیک ایسا ادب بے کار اور بے سود ہے۔

اقبال کو ہم صرف مفکرِ مشرق اور پاکستان کا قومی شاعر کہتے ہیں لیکن سلیم اختر کی نظر میں اقبال محض

برصغیر پاک و ہند ہی میں مقبول نہیں بلکہ اس وقت مہذب دنیا کا شاید ہی ایسا کوئی ملک ہو جہاں اقبال کا نام معروف نہ ہو۔ امریکہ، یورپ اور روس میں کلام اقبال کے تراجم ہو چکے ہیں۔ اسی طرح دنیا کی بہت سی زبانوں جیسے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، اطالوی، روسی، عربی، چینی، جاپانی، ترکی، فارسی وغیرہ میں اقبال پر کتابیں اور مقالات قلم بند ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر اختر کے مطابق عالمگیر سطح پر اقبال شناسی کی بنیادی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ اقبال کا پیغام اگرچہ ہندوستان کے غلام مسلمانوں کے لیے تھا، لیکن وہ فکر ونظر اور عمل واجتہاد کے ایسے تصورات پر مشتمل تھا کہ زبان، تہذیب، تمدن اور سیاسی تصورات کے اختلاف کے باوجود عالمی سطح پر نہ صرف انھیں قبول کیا جا سکتا ہے بلکہ ان سے استفادہ بھی ممکن ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اقبال آج پاکستان کا یا زیادہ سے زیادہ عالم اسلام کا شاعر ہوتا، لہذا ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق اقبال کی فکری میراث کو محض اپنی جغرافیائی حدود، اپنی تہذیب اور ثقافت تک محدود نہ رکھتے ہوئے عالمی تناظر میں اس کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ وہ مغرب میں اسلام کے متعلق شکوک وشبہات اور فکر اقبال کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''آج جبکہ مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں سیاسی وجوہ کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کی کانٹوں بھری فصل تیار ہو چکی ہے۔۔۔ ایسے میں علامہ اقبال کے افکار سے بطور خاص مدد لی جا سکتی ہے اور فکر اقبال کی روشنی میں مغرب کو یہ باور کرایا جا سکتا ہے کہ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو ملا کا جمادات والا اسلام نہیں، بلکہ قوت وعمل کی طرف راغب کرنے والا اقبال کا حرکی اسلام ہے۔ جب ہم اسلامی مملکت کی بات کرتے ہیں تو وہ جبر واستبداد پر مبنی آمریت نہیں ہوتی بلکہ اقبال کے الفاظ میں ''روحانی جمہوریت'' ہوتی ہے۔ جب ہم مرد مومن کی بات کرتے ہیں تو وہ نطشے کا فوق البشر نہیں ہوتا بلکہ اقبال کا پیکر جلال وجمال ہوتا ہے۔''(۶)

بطور اقبال شناس ڈاکٹر سلیم ملک کے پچھلے چند عشروں میں آمریت میں گزرے وقت کو ناپسندیدگی سے دیکھتے ہیں۔ ان کا عمومی رویہ حالات کو کلامِ اقبال کی روشنی میں دیکھ کر اپنا راستہ استوار کرنے کا ہے۔ اس لیے وہ جہاں آمریت کو ناپسند کرتے دکھائی دیتے ہیں وہیں وہ موجودہ سیاسی بندوبست جسے جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے کو بھی مثالی نہیں سمجھتے ہیں۔ ''موجودہ سیاسی بحران اور اقبال'' میں اسی فکر کی بازگشت سنائی دیتی ہے:

> ''یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور قومی زندگی کا المیہ ہے کہ پاکستان میں جمہوریت بطور ایک مثالی تصور عنقا رہی ہے اور یہ جو عسکریت کے طویل وقفوں کے بعد جمہوریت حباب آسا ابھرتی بھی ہے تو اسے مثالی نہیں قرار دیا جا سکتا کیوں کہ اس ضمن میں جمہوریت کو تقویت دینے

والے اداروں کا اساسی کردار فراموش کر دیا جاتا ہے۔ آمروں سے تنگ آئی ہوئی قوم جمہوریت طلب کرتی ہے لیکن جمہوریت میں جب سیاست دانوں کا جمعہ بازار لگتا ہے تو ـــــــ مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟ والی حالت ہو جاتی ہے۔ یوں آمریت کے ساتھ ساتھ سلطانی جمہور کے زمانہ میں بھی علامہ اقبال کے نفی جمہوریت والے اشعار کا چرچا رہتا ہے۔'' (۷)

سلیم اختر نے جمہوریت کی خوبیوں اور خامیوں، دونوں کا محاکمہ کرتے ہوئے اقبال کے اُردو کے علاوہ فارسی کلام کا مطالعہ بھی موقع بہ موقع پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اقبالؔ کی مغرب کے جمہوری نظام کی خامیوں پر نکتہ چینی کے معنی سرے سے جمہوریت کی مخالفت کے نہیں لینے چاہئیں، کیوں کہ وہ نہ صرف سلطانی جمہور کا خیر مقدم کرتے ہیں بل کہ مزدور کو یہ بشارت بھی دیتے ہیں کہ مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے۔ جمہوری اِداروں خصوصاً موجودہ پارلیمانی نظام سے اقبال کی مایوسی، مغرب کے علاوہ ہندوستان کے مخصوص حالات کی روشنی میں ہے کیوں کہ جمہوری اداروں کا کوئی بیرونی ڈھانچہ ہندوستان میں کام نہیں دے سکتا۔ ہندوستانی جمہوریت کو اپنے مخصوص حالات کے مطابق جمہوری اِداروں کی تشکیل کرنی چاہیے تاکہ وہ اکثریت اور اقلیت دونوں کی اِصلاح اور فلاح کے ضامن ہوں یہ کام آسان نہ سہی مگر کرنے کا ہے اور کیا جاسکتا ہے۔

سلیم اختر اقبال کو جمہوریت کے عملی روپ سے بیزار سمجھتے ہیں نا کہ اس کے مثالی تصور کے مخالف۔ چناں چہ وہ اقبال کا مقالہ بعنوان ''اسلام بحیثیت ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین'' کو اپنے مؤقف کے دفاع میں پیش کرتے ہیں، جس میں اقبال یہ لکھتے ہیں کہ اسلام محض ایک مجموعہ عقائد نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہے۔ یہ ایک امت ہے اور ایسی امت کے لیے بہترین طرزِ حکومت جمہوریت ہی ہوگی جس کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ جہاں تک عملی طور پر ممکن ہو آزادی فراہم کر کے آدمی کو اپنی فطرت کے تمام ممکنات کو ترقی دینے کا موقع دیا جائے۔ اقبال کے مطابق اسلام کا اہم ترین پہلو بحیثیت ایک سیاسی نصب العین، جمہوریت ہی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر فکرِ اقبال کو قرآن مجید کی اساس قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''فکرِ اقبال کی اساس قرآن مجید پر استوار ہے۔ علامہ اقبال نے برملا اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا اس لیے ہمیں اس ضمن میں مدافعانہ یا معذرت خواہانہ طرزِ عمل اپنانے کی ضرورت نہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن مجید قیامت تک چراغِ ہدایت اور دنیا کے لیے باعث فلاح ہے تو پھر فکرِ اقبال کی اسلامی اساس کے بارے میں بھی ذہن میں جو الجھن ہے وہ ختم ہو جانی چاہیے۔'' (۸)

سلیم اختر نے اقبال کی غزلیہ شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک جنس کا جسمانی تصور اور دوسرا

لاجنس عشق۔ وہ ابتدا میں مختلف شعرا کی غزلوں کو زیر بحث لاتے ہیں اور پھر اقبال کی غزلوں کی طرف آتے ہیں۔ تاریخ وار غزلوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچے:

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے(۹)

اقبال کی تمام شاعرانہ جدو جہد دراصل اسی ٹوٹے ہوئے تارے کو مہ کامل بنانے کے لیے تھی اور ان کی غزل اس مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ۔

''اقبال کی نثر کا مزاج'' بھی ڈاکٹر سلیم اختر کا ایک سنجیدہ موضوع ہے۔ انھوں نے اقبال کی نثری تخلیقات، افکار وخیالات کا ایک تجزیاتی اور ٹھوس مطالعہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنی گفتگو کا آغاز اقبال کی پہلی نثری تصنیف 'علم الاقتصاد' سے کیا ہے جسے خود علامہ نے اپنی علمی کوششوں کا پہلا ثمر قرار دیا ہے۔ وہ اقبال کی نثر کو سرسید کی نثر سے ہم آہنگ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے تو اقبال کی نثر سرسید سے ہم آہنگ دکھائی دیتی ہے۔ میرے خیال میں اقبال کی نثر کے اساسی اوصاف میں اس کا منطقی رنگ غیر ضروری طوالت سے احتراز کرتے ہوئے مواد کی مدلل پیش کش، عالمانہ متانت کی خشکی وغیرہ کو بطور خاص گنا جا سکتا ہے اور یہی تمام اوصاف سرسید کی نثر میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ البتہ سرسید کے برعکس اقبال کو انگریزی الفاظ کے استعمال کا شوق نہیں''۔(۱۰)

ایران، تہذیب وتمدن اور زبان کے لحاظ سے ہندوستانی اور پاکستانی تہذیب وتمدن سے بالکل مختلف ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہندوستان اور پاکستان پر اس ملک کے تہذیبی اثرات گہرے ہیں۔ کلامِ اقبال کے اثرات ایرانی تہذیب وتمدن پر بھی اثر انداز ہوئے ہیں۔ اس بات میں بھی دورائے نہیں ہے کہ اقبال کے فارسی کلام کو ایران میں خوب پذیرائی ملی ہے۔ ڈاکٹر اختر لکھتے ہیں:

''ایرانی اقبال شناسوں نے علامہ پر باضابطہ کتابیں قلمبند کیں۔ ان کے افکار واشعار قلمبند کئے جن میں سے کئی مقالات کے تراجم کئے ہیں علامہ کے نظام فکر کے اساسی تصورات کی تفہیم کی سعی میں لاتعداد مقالات کے اردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ جن کے نتیجہ میں اردو داں طبقہ بھی ایرانی اقبال شناسوں کی تحریروں سے آشنا ہو چکا ہے۔''(۱۱)

موجودہ دور میں اقبال، ایران میں اسی طرح مقبول ہیں جس طرح سعدی، حافظ اور مولانا روم۔ لیکن اگر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو اقبال نے افغانستان میں ایران سے پہلے پذیرائی حاصل کر لی تھی، کیوں کہ ایران نے افغانستان کے ذریعے علامہ کی شخصیت اور فکر وفن سے تعارف حاصل کیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر

کے مطابق ''ایران کے مقابلے میں افغانستان میں علامہ اقبال کی مقبولیت کی وجہ جغرافیائی قربت کے علاوہ علامہ اقبال کا دورہ افغانستان بھی ہوسکتا ہے۔۱۹۳۲ء میں حکومت افغانستان کی دعوت پر علامہ اقبال، سیدسلیمان ندوی اور سرراس مسعود کابل گئے تا کہ افغانستان میں جدید تعلیم اور درس گاہوں کے قیام کے بارے میں حکومت کو مفید مشورے دے سکیں، ...افغانستان میں جو چند علمی وادبی مجلّات تھے (جن میں 'کابل' سرفہرست ہے) ان میں علامہ کا کلام چھپتا رہا۔اس ضمن میں دل چسپ بات یہ ہے کہ کافی عرصے تک اہل ایران علامہ کو افغانستان کا شاعر سمجھتے رہے''۔(۱۲)

ڈاکٹر سلیم اختر کا کہنا ہے کہ اگر اقبال کی شاعری کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو اس کے دو اہم پہلو سامنے آتے ہیں، ان پہلوؤں کو انھی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:

''علامہ اقبال کے کلام کا مطالعہ کرنے پر دو امور بطور خاص اجاگر ہوتے ہیں ایک تو ایران اور اہل ایران سے علامہ کی گہری محبت دوسرے زبان واظہار کے بارے میں عجز کا اظہار''(۱۳)

الغرض سلیم اختر کا اقبالیاتی سرمایہ بہت وسیع ہے۔اقبال کے عقیدت مند ہمیشہ ان کے احسان مند رہیں گے۔انھیں اقبال کی تقریباً تمام تصانیف نظم ونثر پر دسترس حاصل تھی۔ان کا یہ کام نئی نسل کے اقبال شناسوں کے لیے مشعلِ راہ ہے اور بلاشک وشبہ ان کی اس کاوش کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) جلیل اشرف (ڈاکٹر)،ڈاکٹر سلیم اختر: بحیثیت نقاد،لاہور:ٹی اینڈ ٹی پبلشرز،۱۹۹۹ء،ص۱۸۔۳۰

(۲) سلیم اختر (ڈاکٹر)،علامہ اقبال ، حیات -فکروفن،لاہور:سنگ میل پبلشرز،۲۰۰۳ء،ص۱۱

(۳) سلیم اختر (ڈاکٹر)،اقبالیات کے نقوش،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۹۹ء،ص۱۵

(۴) سلیم اختر (ڈاکٹر)،اقبال کی فکری میراث،لاہور:بزمِ اقبال،کلب روڈ،۱۹۹۶ء، ص۷

(۵) اایضاً،ص۸ (۶) ایضاً،ص۹ (۷) ایضاً،ص۶۵

(۸) سلیم اختر (ڈاکٹر)،اقبال کی فکری میراث،ص۱۲۹

(۹) محمد اقبال (علامہ)، کلیات اقبال (اردو)،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۹۰ء،بالِ جبریل،غزل۶،ص۵۳۰

(۱۰) سلیم اختر (ڈاکٹر)،اقبال کانفسیاتی مطالعہ،لاہور:سنگ میل پبلشرز،۲۰۰۸ء، ص۲۲۳۔۲۲۴

(۱۱) ممتاز احمد،اقبال۔ ایران میں،مضمون مشمولہ ایران میں اقبال شناسی کی روایت،لاہور:سنگ میل پبلشرز،ص۱۱۴۔

(۱۲) سلیم اختر (ڈاکٹر)،علامہ اقبال حیات-فکرو فن،ص۸۴۰

(۱۳) ممتاز احمد، اقبال۔ ایران میں،ص۱۱۴، جلیل اشرف (ڈاکٹر)،ڈاکٹر سلیم اختر: بحیثیت نقاد،ص۱۵۴